# ملا صدرا
## حالاتِ زندگی اور فلسفیانہ منہج

ڈاکٹر سیّد ناصر زیدی ☆

محمد بن ابراہیم یحییٰ قوامی شیرازی کہ جن کا لقب صدر الدین اور شہرت ملاصدرا یا صدر المتألہین تھی اور جو اہل علم کے درمیان اخوند کے لقب سے مشہور تھے' ۹۷۹ (۱۵۷۱ء) میں ایران کے شہر شیراز میں پیدا ہوئے۔(۱) کہا جاتا ہے کہ ان کے والد ابراہیم بن یحییٰ قوامی اپنے دور کے ایک وزیر تھے۔(۲) صدر الدین شیرازی نے ۱۰۵۰ھ میں وفات پائی۔(۳)

معاصر فلسفی رفیعی قزوینی لکھتے ہیں: صدر المتألہین مرحوم نے سات مرتبہ پیدل مکہ معظّمہ کا سفر کیا اور اپنے ساتویں سفر میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے اور بصرہ میں انہیں سپرد خاک کیا گیا، لیکن آج ان کی قبر کا کوئی نام و نشان موجود نہیں ہے اور تمام تر تحقیق کے باوجود ان کی قبر کا پتہ نہیں لگایا جا سکا۔ اس بات کا امکان موجود ہے کہ شہر کے حالات میں تغیر و تبدل کی بنا پر ان کی قبر کی علامات مٹ گئی ہوں۔(۴) کہا جاتا ہے کہ ملا صدرا اپنے والد کے تنہا فرزند تھے اور بہت زیادہ منتوں مرادوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں فرزند عطا کیا تھا اسی لئے ان کے والد نے ان میں علم و دانش کا شوق پیدا کیا۔(۵)

اپنے والد کی وفات کے بعد ملا صدرا اصفہان چلے گئے تاکہ اپنی تعلیم مکمل کرسکیں۔ اصفہان میں بہاء الدین عاملی معروف بہ شیخ بہائی (م۱۰۳۱ء)(۶) کی خدمت میں پہنچے اور ان کے پاس نقلی علوم حاصل کئے۔ پھر شیخ بہائی کی حیات میں ہی سید محمد باقر کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کیاجو سید میر داماد(۷) کے نام سے معروف تھے۔ ملا صدرا کے تحریری آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ میر داماد سے انہیں گہری عقیدت و محبت تھی اور انہیں اپنا استاد گردانتے تھے۔(۸)

ملا صدرا نے اصفہان میں کہ جو اس وقت کا اہم ترین اورسب سے پُررونق علمی شہر تھا، اپنے دور کے نامور اساتذہ کے پاس حصول علم کا سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ درجہ اجتہاد پر فائز ہو گئے۔ بعض محققین نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ ملا صدرا نے دوران تعلیم اس دور کے نامور اور بے نظیر

---

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

عارف و زاہد اور ریاضی دان میر ابو القاسم فندرسکی (م ۱۰۵۰ھ) سے بھی کسب فیض کیا۔ البتہ اس سلسلے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔(۹) ظاہری علوم حاصل کرنے کے بعد اور بعض ظاہر بین علماء کے دباؤ کے تحت جو ان کے متصوفانہ منہج(۱۰) کے مخالف تھے، ملا صدرا نے اصفہان کو خیر باد کہہ دیا اور ریاضت و انقطاع کے مراحل طے کرنے کے لئے قم کے قریب کہک نامی گاؤں میں سکونت اختیار کر لی جہاں وہ ۷ برس تک اور(ایک دوسرے قول کے مطابق ۱۵ برس تک) دنیا کی قیل و قال، دنیوی مقام و منصب اور عیش وعشرت سے دور رہتے ہوئے تزکیہ نفس، ریاضت وعبادت اور باطنی تطہیر میں مصروف رہے اور اس شعبے میں ظاہری علوم کی طرح مقام کمال حاصل کیا بالکل اسی طرح جیسے ظاہری علوم کو کمال تک پہنچایا تھا۔(۱۱) حتیٰ کہ اپنی کتاب اسفار اربعہ کے مقدمے میں لکھتے ہیں: ''میں اب عالم معقول(۱۲) کا مشاہدہ کر رہا ہوں اور جو کچھ میں نے کتاب سے سیکھا ہے اب میں اسے اشراق کے ذریعے دیکھ رہا ہوں۔''

آہستہ آہستہ ملا صدرا کی علمی شہرت عام ہوتی گئی اور اطراف و اکناف سے تشنگان علم و حکمت آپ سے کسب فیض کے لئے آنا شروع ہو گئے۔ اسی دوران والی فارس اللہ وردی خان نے شیراز میں ایک مدرسہ بنایااور ملا صدرا کو اپنے اصل شہر واپس آنے کی دعوت دی۔ ملا صدرا نے اس دعوت کو قبول کر لیا اور شیراز واپس لوٹ آئے۔ مدرسہ اللہ وردی خان ملا صدرا کی موجودگی کے باعث ایران کا ایک اہم ترین علمی مرکز بن گیا اور وہ جب تک زندہ رہے دور و نزدیک سے تشنگان علم و دانش اور طالبان حکمت و معرفت ان سے استفادے کے لئے شیراز آتے رہے۔(۱۳)

ملا صدرا کی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا دور شیراز اور اصفہان میں ان کی طالب علمی اور قدما کی کتب اور حکمائے سلف کے افکار و نظریات کے مطالعے کا دور تھا۔ اسی دور میں وہ شیراز اور اصفہان کے دینی مراکز میں محقق داماد اور شیخ بہائی جیسے اساتذہ سے عقلی و نقلی علوم حاصل کرنے میں مصروف رہے۔ دوسرا دور کہک نامی گاؤں میں تہذیب نفس، ریاضت و عبادت، گوشہ نشینی اور ہر قسم کے علمی مطالعات سے اجتناب کا دور تھا جہاں بالآخر آپ حقائق ربانی کو کشف کرنے میں کامیاب ہوئے۔ تیسرا دور شیراز میں تصنیف و تالیف اور تدریس کا دور تھا اور اس مرحلے میں انہوں نے اسفار اربعہ کے پہلے حصے، رسالۂ حشر اور رسالۂ حدوث العالم کے سوا اپنی تمام کتابوں کو تحریر کیا۔

بنابریں ملا صدرا کی یہ تالیفات ان کے علم حصولی وحضوری یا استدلالی و متصوفانہ منہج(۱۴) کا ثمرہ اور زندگی کے پہلے دو مرحلوں کا نتیجہ تھیں۔(۱۵)

اپنی زندگی کے تیسرے دور میں ملا صدرا نے تحریری آثار مرتب کرنے کے ساتھ ساتھ نہایت قابل اور باصلاحیت شاگرد بھی تیار کیئے جن میں سے ملا محسن فیض کاشانی (م ۱۰۹۱ھ) اور عبدالرزاق لاہیجی (م ۱۰۷۲ھ) کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور دونوں کو ملا صدرا کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہے۔[۱۶]

معاصر فلسفی استاد جوادی آملی کا کہنا ہے کہ ملا صدرا کی فکری حیات کا ابتدائی دور ذہنی مفاہیم کے ذریعے حصول علم کا دور ہونے کی وجہ سے بہت سی (علمی) خامیوں کا حامل تھا جس کی وجہ سے یہ دور نہ صرف فلسفہ سے عرفان تک پہنچنے کا وسیلہ نہیں بنا بلکہ عرفان تک پہنچنے کی راہ میں رکاوٹ بھی تھا۔ علاوہ ازیں تفسیر قرآن اور اس کے باطنی اسرار تک پہنچنے کے لئے مقدمہ بھی نہیں تھا اور نہ ہی تہذیب نفس اور تزکیۂ باطن کے حوالے سے اس کا کوئی عملی ثمرہ تھا لیکن ان کا آخری دور عین الیقین اور باطنی شہود کی بنا پر فلسفہ سے عرفان و تصوف تک پہنچنے اور عینی حقائق کے شہود کی وجہ سے باطن قرآن تک رسائی اور تزکیۂ روح اور تطہیر قلب کا وسیلہ بنا۔[۱۷]

## ملا صدرا کا فلسفیانہ منہج (حکمت متعالیہ)

ملا صدرا سے قبل عالم اسلام میں کائنات شناسی سے متعلق چار مخصوص فکری مناہج موجود تھے:

(ا) فلسفیانہ منہج (مشائی فلسفہ)
(ب) اشراقی فلسفیانہ منہج (اشراقی فلسفہ)
(ج) متصوفانہ منہج
(د) متکلمانہ منہج

مشائی منہج کا انحصار محض برہان اور عقلی استدلال[۱۸] پر ہے، کیونکہ مشائین ارسطو کے پیرو سمجھے جاتے ہیں۔ کندی، فارابی، بوعلی سینا، خواجہ نصیر الدین طوسی، میرداماد، ابن رشد اندلسی اور ابن باجہ اندلسی جیسے فلاسفہ مشائی مکتب کے پیرو تھے۔ شیخ ابن سینا کو اس مکتب کا کامل نمائندہ سمجھا جاتا ہے اور ان کی کتاب شفا کو مشائی فلسفہ کی کتب کا مظہر قرار دیا جاتا ہے۔

دوسرے منہج میں دو چیزوں پر انحصار کیا جاتا ہے، ایک استدلال اور برہان عقلی کے ساتھ دوسرے باطنی شہود، واردات روحانی اور تجربہ دینی۔ دوسرے الفاظ میں باطنی شہود کو عقل کی زبان میں بیان کیا جاتا ہے لیکن اس میں کبھی برہان و استدلال کو شہود کے ہم مرتبہ قرار نہیں دیا گیا۔ اشراقی فلاسفہ،

افلاطون کے پیروکار سمجھے جاتے ہیں۔ اشراقی طرز فکر کے افراد کی تعداد مشائی طرز فکر کے افراد سے کم ہے۔ شہاب الدین سہروردی ، قطب الدین شیرازی، شہرزوری کا شمار حکماء اشراق میں ہوتا ہے جبکہ شیخ اشراق سہروردی کو اس روش کے احیاء کا علمبردار سمجھا جاتا ہے، ان کی کتاب حکمت اشراق، اشراقی تعلیمات کا مظہر ہے۔

تیسرا منہج سلوک عرفانی کا ہے جس میں صرف سلوک الی اللہ اور تقرب حق سے وصول حقیقت تک کے مرحلے کی بنیاد پر تزکیہ نفس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اس روش میں ہدف و مقصد صرف کشف حقیقت نہیں ہوتا، بلکہ حقیقت تک پہنچنا مقصد ہوتا ہے۔ محی الدین ابن عربی عرفان نظری کے بانی سمجھے جاتے ہیں، کیونکہ انہوں نے ہی عرفان نظری کو مضبوط و مستحکم علم کی صورت دی اور ان کے بعد آنے والے تمام اہل عرفان انہی کے زیر اثر رہے ہیں۔

چوتھی روش کا انحصار بھی عقلی استدلال پر ہوتا ہے، لیکن متکلمین کے استدلالی منہج اورمشائی فلاسفہ کے طریقہ استدلال میں دو اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے ایک تو کلام کے عقلی اصول و مبادی، فلسفہ کے اصولوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ حسن و قبح جو متکلمین کا معروف اصول ہے، فلاسفہ کے نزدیک صرف مقبولات (accepted premises) اور معقولات عملی کے لحاظ سے صرف جدلیات (dialectics) میں استعمال ہو سکتا ہے لیکن اسے برھان میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرا یہ کہ متکلم فلسفی کے برخلاف خود کو دین کے دفاع کا پابند سمجھتا ہے۔ جبکہ فلسفی کا ہدف پہلے سے طے شدہ نہیں ہوتا۔

لیکن ملا صدرا نے حکمت متعالیہ (transcendent theosophy)[۱۹] کے نام سے ایک ایسے نئے فلسفیانہ نظام کی بنیاد رکھی جس میں گزشتہ تمام مکاتب کے محاسن موجود تھے اور برہان اور کشف و شہود دونوں کی حیثیت کو تسلیم کیا گیا تھا۔ گویا جس چیز کواہل عرفان دیکھتے ، سنتے اور چکھتے تھے اور اسے بیان کرنے سے قاصر تھے، اس کی عقلی بنیادوں پر وضاحت کی۔ ملاصدرا نے برہان و شہود کو ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ قرار دیا اور اپنے تمام فلسفے میں اسی بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی کہ برہان و شہود ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہیں اور پھر حکمت متعالیہ کی صورت میں عرفانی مشاہدات کو برہانی و استدلالی انداز میں اس طرح پیش کیا کہ کسی مقام پر بھی وہ ایک دوسرے سے متصادم نہیں ہونے پائے بلکہ حقیقت کو نور واحد کی طرح مختلف مراتب میں تقسیم کرنے کے بعد ہر مرتبہ پر استدلال قائم کرتے ہیں اور آخری مرتبہ پر اپنے عمیق عرفانی مشاہدے کو گزشتہ مرتبے کی نفی کئے بغیر قوی برہان کے ذریعے ثابت کرتے ہیں۔ مثلا ابتدائی مرحلے میں وجود کے تشکیکی مراتب کا نظریہ پیش کرتے ہیں

لیکن انتہائی مرحلے میں مظاہر وجود میں تشکیک کا نظریہ پیش کرتے ہیں اسی طرح علت و معلول کے مسئلے میں وجود کی تشکیکی وحدت (graded unity of being) کے مرحلے سے نکل کر وجود کی شخصی وحدت (particular unity of being) کی بنیاد رکھتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ملا صدرا اپنے اس عرفانی نظریے کے اثبات میں عظیم کامیابی کے پیش نظر علت و معلول کے بارے میں تفصیلی بحث کا آغاز ان الفاظ سے کرتے ہیں: و برهان هذاالاصل من جملة ما آتينه ربی من الحكمة بحسب العناية الازلية ، وجعله قسطی من العلم بفيض فضل وجوده ، فحاولت به اكمال الفلسفة و تتميم الحكمة۔[۲۰] یعنی اس اصول کے ذریعے میں نے فلسفے کو کامل اور حکمت کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا ہے۔

ملا صدرا کی رائے میں کلامی مباحث اور جدلی افکار و نظریات کے ذریعہ اسرار الٰہی تک رسائی حاصل نہیں کی جا سکتی اور یہ راستہ صرف برہانی اور شہودی منہج پر منحصر ہے۔[۲۱] اسی طرح صرف برہانی روش کو بھی ناکافی سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک عملی ریاضت اور باطنی تطہیر پر توجہ دیے بغیر انسان، فکری انتشار اور تضاد بیانی کا شکار ہو جاتا ہے۔[۲۲] اسی لئے ابن سینا کی بے پناہ صلاحیت اور فکری صلاحیتوں کا اعتراف کرنے کے باوجود ان کا کہنا ہے کہ جب بھی ابن سینا نے امور عامہ (general principles) کی بحث میں حقائقِ وجودی پر گفتگو کرنے کی کوشش کی تو ان کے ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا اور ان کے کلام میں عجز و ناتوانی نمایاں ہونا شروع ہو گئی لہذا انہوں نے حرکت جوہری (substantial motion)، مثل افلاطونی (platonic idea)، اتحاد عاقل و معقول (identity of Knower and known) اور صورت کی طرف ہیولٰی کی رغبت کا انکار کر دیا حتیٰ کہ معاد جسمانی (resurrection of the body) کو استدلال و برہان سے ثابت کرنے میں ناکامی کا اظہار کرنے پر مجبور ہوئے۔[۲۳] اسی طرح ملا صدرا محض کشف و شہود کو بھی کافی نہیں سمجھتے تھے، کیونکہ وہ خاص کر خالص عقلیات میں کشف تام کے لئے برہان کو ضروری سمجھتے تھے۔[۲۴] اسی لئے اپنے آثار میں ان ذوقیات اور مکاشفات پر اعتماد نہیں کرتے جن کی برہان تائید نہ کرتا ہو۔[۲۵]

بالآخر ملا صدرا اپنے علمیاتی اور معرفتی (epstemological) منہج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: جو لوگ ذہین و فطین ہیں اور الٰہی معارف میں تقلید پر انحصار نہیں کرتے انہیں چاہیے کہ ان معارف کو تحقیق کی نگاہ سے دیکھیں اور ابو نصر فارابی، ابن سینا اور شیخ اشراق جیسے بزرگ حکماء کے آثار کا بغور جائزہ لینے کے بعد الٰہی علوم و معارف میں ہماری روش کو اختیار کریں جو حکمائے الٰہی اور متدین اہل عرفان کے منہج کے امتزاج یعنی برہان اور شہود کی آمیزش کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ اس منہج کے باعث اللہ کے فضل و کرم سے مبداء و معاد کے جو اسرار مجھ پر آشکار

ہوئے ہیں مشائی فلسفہ کے پیروکاروں میں سے کسی پر آشکار ہوئے ہوں گے۔ اگرچہ ارسطو اور ان سے پہلے کے حکماء ان معارف سے بے بہرہ بھی نہیں تھے ، اسی طرح میں نہیں سمجھتا اہل کشف و شہود نے استدلال و برہان کے بغیر ان معارف کو ثابت کرنے کی صلاحیت پیدا کی ہو گی۔(۲۶) ملاصدرا عقلی استدلالات اور براہین پر عرفاء کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں: حقیقی برہان و استدلال جو اسباب کے علم کے ذریعے مسببات کا علم ہے، کشف وشہود سے متصادم نہیں ہو سکتا اور عرفاء نے جس برہان کی نفی کی ہے، وہ صرف نام اور عنوان کے اعتبار سے برہان ہے، حقیقت کے اعتبار سے نہیں۔(۲۷)

ملاصدرا کے علمیاتی منہج کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نہ صرف وحی الٰہی کو نظر انداز نہیں کیا گیا، بلکہ ان کے نظریات کے اہم ماخذ قرآن و سنت ہی ہیں اور ملا صدرا کسی ایسے فلسفے کو قبول نہیں کرتے جس کی وحی الٰہی تائید نہ کرتی ہو۔ یوں انہوں نے اپنی نئی علمیاتی روش کے ذریعے قرآنی تعلیمات کی راہ میں حائل جدلیاتی اور استدلالی حجابات کو ہٹانے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ اگرچہ ملا صدرا کو ظاہر بین علماء کی طرف سے مذہبی مسلمات سے انحراف کے الزام کا زبردست سامنا رہا ہے لیکن اس کے باوجود ملا صدرا کا ہمیشہ یہی اصرار رہا ہے کہ احکام شریعت حقہ، معارف یقینیہ ضروریہ سے کبھی متصادم نہیں ہو سکتے۔ ان کا کہنا تھا کہ ایسا فلسفہ تباہ و برباد ہو جائے ایسا فلسفہ جس کے قوانین کتاب و سنت سے مطابقت نہ رکھتے ہوں۔(۲۸)

یوں ملا صدرا اس تحریک کو منزل مقصود تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئے جسے کندی نے شروع کیا تھا اور جسے فارابی، ابن سینا، شیخ اشراق سہروردی، محقق طوسی اور صائن الدین محمد ترکہ (م ۸۳۵ھ) نے جاری رکھا اور انہوں نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ کس طرح استدلالی، عرفانی اور اشراقی منہج اور وحی کے ذریعے حاصل ہونے والی چیز، بالآخر ایک ہی حقیقت پر منتہی ہوتی ہے۔

ان تمام چیزوں کے باوجود ملا صدرا کے فلسفے کو ایک نئے دبستان فلسفہ کے عنوان سے دو صدیوں بعد تک قبول نہیں کیا گیا۔ اگرچہ تیرہویں صدی میں اصفہان، شیراز اور سبزوار کے دینی مراکز میں ملا صدرا کی حکمت متعالیہ کو آہستہ آہستہ فلسفیانہ تعلیم کا محور قرار دیا جانے لگا لیکن اس کے ساتھ ساتھ حکمت مشاء کے بعض پیروکاروں کی طرف سے اس کے بنیادی اصولوں اور منابع کے لحاظ سے سخت ہدف تنقید بنایا گیا یہاں تک کہ ملا صدرا کے فلسفے کا ایک جدید فلسفیانہ نظام کے عنوان سے انکار بھی کر دیا گیا۔(۲۹) مگر جن علماء نے ملا صدرا کے فلسفیانہ افکار کو ایک نئے فلسفیانہ مکتب کے

عنوان سے قبول کیا اور ان کو حکمت متعالیہ کا بانی قرار دیا، انہوں نے ملا صدرا کے علمیاتی منہج اور گزشتہ مکاتب پر ان کی فلسفیانہ برتری کو اپنے اپنے انداز سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں سامنے آنے والے اقوال کو مختصراً یوں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

## ۱۔ حکمت متعالیہ، حکمت ترکیبی و تلفیقی ہے

اس مقام پر ترکیب و تلفیق سے مراد انتخابیت (eclecticism) نہیں ہے جس میں دوسروں کے نظریات، تحریروں یا اسالیب سے جو سب سے عمدہ نظر آئیں ان کا انتخاب کیا جاتا ہے بلکہ یہاں پر ترکیب و تلفیق سے مراد یہ ہے کہ ملا صدرا نے فلسفہ مشاء، فلسفہ اشراق، طریقہ اہل عرفان اور طریقہ متشرعہ کو آپس میں متصل کر دیا ہے(۳۰) اور ان کے درمیان سالہا سال سے پائے جانے والے اختلاف کو ختم کر دیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں حکمائے سلف کے آثار کا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد ان کے افکار و نظریات سے استفادہ کرتے ہوئے انہیں ایک منظم صورت دے کر اپنے مخصوص فلسفیانہ نظام میں ڈھالا ہے۔

## ۲۔ ملا صدرا کا فلسفہ، مشائی اور اشراقی فلسفے کا امتزاج ہے

ہنری کوربن کا کہنا ہے کہ ملا صدرا ابن سینا اور شیخ اشراق سہروردی سے بہت زیادہ متاثر ہوئے ہیں، لہذا ان کے فلسفے کو ابن سینائی فلسفہ قرار دینا چاہیے جو سہروردی کے طریقے پر اشراق کا حامل ہے۔ اس ابن سینائی اشراقی مفکر کا فلسفہ نہایت گہرائی کے ساتھ محی الدین ابن عربی کے نظریات سے بھرا پڑا ہے۔(۳۱) گویا ہنری کور بن کی رائے میں ملا صدرا نے فلسفہ اشراق، مشاء اور عرفان کو یکجا کر دیا ہے، لیکن پروفیسر استاد ابراہیمی دینانی کا کہنا ہے کہ ہنری کور بن کی اس رائے میں کلامی عناصر کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اسی طرح آیات قرآنی اور روایات سے ملا صدرا نے جو بے پناہ استفادہ کیا ہے اس پر بھی توجہ نہیں دی گئی۔(۳۲) بظاہر یہ اعتراض درست نہیں ہے کیونکہ ملا صدرا نے امام فخرالدین رازی اور خواجہ نصیر الدین طوسی کے منہج کو آگے بڑھاتے ہوئے کلامی مسائل کو فلسفیانہ روش پر حل کیا ہے اور استاد مطہری کے بقول کلام آہستہ آہستہ فلسفہ سے متاثر ہوا اور بالآخر فلسفے میں مدغم ہوگیا(۳۳) گویا انہوں نے حکمت متعالیہ کو ایک فلسفیانہ و کلامی روش کے عنوان سے قبول کیا ہے جسے سید حسین نصر نے (Transcendental Theosophy) کا نام دیا ہے،(۳۴) اسی طرح ملا صدرا نے کسی خاص تفسیری منہج کو اختیار نہیں کیا، بلکہ اپنے فلسفیانہ اور متصوفانہ منہج کے ذریعے قرآنی آیات

کی تفسیر کی ہے البتہ انہوں نے قرآن و سنت سے بہت سے اصول ضرور اخذ کیے ہیں اور قرآن کی فلسفیانہ اور عارفانہ تفسیر کرتے ہوئے قرآنی تقاضوں کو ضرور ملحوظ خاطر رکھا ہے۔

## ۳۔ یہ برتر زبان پر مشتمل فلسفہ ہے(۳۵)

بعض علماء نے معروضی زبان (objective language) اور فوق لسان(meta language) کے ذریعے حکمت متعالیہ کی منطقی برتری کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ استاد حائری یزدی کا کہنا ہے کہ اگر ملا صدرا کی حکمت متعالیہ کی تبیین وتفسیر میں زبان کی تقسیم بندی کا راستہ اختیار کیا جائے تو ہمیں یہ کہنا ہو گا کہ انہوں نے اپنے فلسفے کی اعلیٰ تعلیم کے لئے دو زبانوں کو استعمال کیا ہے۔ ایک کا نام انہوں نے زبان برتر، یعنی حکمت متعالیہ رکھا ہے اور اسی کے ذریعے سے انہوں نے اپنے فلسفے کو روشناس کرایا ہے، اور دوسری کا نام معروضی زبان ہے جو درحقیقت مشائی فلسفہ، فلسفہ اشراق اور دیگر فلسفیانہ مکاتب کی زبان ہے۔ اس تفسیر کے ذریعے ملا صدرا کے فلسفے کو نہ صرف انتخابیت (electicism) کے الزام سے نجات دلائی جا سکتی ہے، بلکہ اس کی بنیاد پر ملا صدرا کی فلسفیانہ تخلیقات کی ایک مربوط تفسیر بھی کی جا سکتی ہے۔(۳۶) مغرب میں لائب نیز (Leibnitz) کے فلسفے میں اس قسم کا نمونہ تلاش کیا جا سکتا ہے۔ ان کے آثار دو قسم کے فلسفے کے حامل ہیں، ایک برٹرنڈرسل کے بقول عوام پسند فلسفہ اور ایک فلسفہ عالی جسے رسل نے سیکریٹ فلاسفی (Secret Philosophy) کا نام دیا ہے، اور اس کا حالیہ صدی میں انکشاف ہوا ہے۔ لائب نیز کی سیکریٹ فلاسفی کی بلندی کا راز اس کی برتر منطق ہے۔(۳۷)

## مقام تحقیق اور مقام اثبات میں فرق

بعض علماء نے مقام تحقیق و انکشاف (context of discovery) اور مقام اثبات (context of justfication)(۳۸) کے درمیان فرق کو بیان کرتے ہوئے حکمت متعالیہ کی بنیادی خصوصیات کو مقام تحقیق و انکشاف میں مختلف مناہج سے مربوط کیا ہے۔ ان دانشوروں کے نزدیک حکمت متعالیہ اپنے برہانی منہج کے اعتبار سے گزشتہ فلسفیانہ مکاتب سے مختلف نہیں ہے، لیکن حقیقت تک رسائی کے لئے مختلف مناہج سے استفادہ کرنے کے اعتبار سے دوسرے فلسفیانہ مکاتب سے بنیادی اختلاف رکھتی ہے۔

پروفیسر عبدالکریم سروش اس نقطہ نظر کی تائید میں لکھتے ہیں: حکمت متعالیہ کے سلسلے میں جس چیز

میں فرق آیا ہے وہ یہ ہے کہ مشائی فلسفہ میں حکماء کے تأملات کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے اور تحقیق طلب موضوعات میں زیادہ تنوع اور کثرت پیدا ہوگئی ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ حکمت اشراق اور متعالیہ میں حکماء کے دام میں صرف عقل وحس ہی گرفتار نہیں ہوئے بلکہ معنوی امور، عرفانی مکاشفات، غیبی وقلبی فیوضات، الہامات اور واردات کی طرف بھی حکماء نے توجہ کی ہے۔(۳۹)

## مقام تحقیق و مقام اثبات میں ایک ہی روش پر انحصار نہ کرنا

ملا صدرا کے اس علمیاتی منہج کی طرف پروفیسر فرامرزقرا ملکی نے اشارہ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ عصر حاضر میں کسی ایک روش پر انحصار نہ کرنے اور مختلف علوم سے استفادہ کرنے کی ضرورت اجاگر ہو چکی ہے۔ اس سے پہلے دانشور اپنے علمی شعبے میں غرق ہو چکے تھے اور صرف اپنے علمی دائرے میں ہی تحقیق کرتے تھے اور ہر مسئلے کو اسی زاویہ سے دیکھتے تھے مثلاً نفسیات دان اپنے تحقیق طلب موضوعات اور مسائل کے حل کے لئے صرف علم نفسیات کے اصولوں کا سہارا لینا ہی ضروری سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک سماجی اور فلسفیانہ روش کی کوئی اہمیت نہیں تھی اور یہ چیز ایک محقق کے دائرہ تحقیق کو بہت زیادہ محدود کر دیتی ہے لیکن اب دانشور اس بات کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں کہ کسی ایک منہج اور طریقے پر انحصار کا کسی شئے کے دوسرے پہلوؤں کی معرفت سے محرومی کے سوا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ جو محققین کسی ایک منہج پر انحصار کرتے ہیں، وہ ماہرین مظہریات (phenomoenologists) کی تحقیقات سے بے بہرہ ہیں اور جو مظہریت کو ہی حقیقت تک پہنچنے کا واحد راستہ سمجھتے ہیں وہ مورخین کی تحقیقات سے محروم ہیں۔ اس مسئلے کی اہمیت اس جگہ اور زیادہ ہو جاتی ہے جہاں علوم مختلف ہونے کے باوجود مشترکہ موضوع کے حامل ہوں ، مثلاً سماجیات مذہب (sociology of religion) نفسیات مذہب (psychology of religion)، تاریخ ادیان، کلام اور الٰہیات کا موضوع دین اور دینداری ہی ہے۔(۴۰)

اس اعتبار سے ملا صدرا کا فلسفہ نہ ترکیب وتلفیق ہے، نہ انتخابی بلکہ اس نے گزشتہ فلسفیانہ مکاتب میں ایک ہی منہج پر انحصار کی مشکل کو دور کر دیا ہے گویا ملا صدرا نے تعصب کی عینک اتار کر مسائل کو کسی ایک مکتب، یا طرز فکر کے دریچے سے دیکھنے کی بجائے تمام مکاتب سے بالاتر ہو کر دیکھتے ہوئے ہر مسئلے کو بہترین منہج کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کی ہے۔

ملا صدرا کے فلسفے کے علمیاتی منہج کے سلسلے میں مختلف نظریات کا جائزہ لینے سے کم از کم اس بات کا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ ملا صدرا کے فلسفیانہ مکتب کو کسی ایک پہلو میں منحصر نہیں کیا جا سکتا اور

ہر نظریے میں ملا صدرا کے فلسفیانہ مکتب کی کسی نہ کسی جہت کو اجاگر کیا گیا ہے، البتہ تمام نظریات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ملا صدرا کا مکتب گزشتہ فلسفیانہ مکاتب سے کامل تر ہے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ملا صدرا نے خاص کر مقام تحقیق میں متعدد مناہج سے استفادہ کر کے نہ صرف زیادہ سے زیادہ فلسفیانہ گتھیاں سلجھانے میں کامیابی حاصل کی ہے بلکہ ان کے بعد بہت سے مسائل پر مزید تحقیق کا کام بھی آسان نہیں رہا۔ اسی طرح انہوں نے بہت سے نئے مسائل کو بھی فلسفے کی دنیا میں متعارف کرایا ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملا صدرا کے فلسفے کی اصل قدر و قیمت اور اہمیت ان کی بے پناہ قوت استدلال میں ہے۔ اگرچہ انہوں نے اپنے فلسفے میں مقام تحقیق میں بھی اور مقام اظہار رائے میں بھی عرفانی مکاشفات اور کشف و شہود کا سہارا لیا ہے اور نہ صرف فلسفہ اشراق اور مشائیت کے بہت سے اختلافات کو دور کرنے میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے، بلکہ اپنے فلسفے کو قرآن و سنت پر بھی بڑی خوبصورتی سے منطبق کیا ہے اور بہت سے مقامات پر تو انہوں نے اپنی فکر و نظر کے بنیادی عناصر ہی قرآن و سنت سے اخذ کیے ہیں۔

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے فلسفے میں برہان و استدلال سے ہٹ کر باقی چیزوں کی حیثیت کیا ہے۔ اگر ملا صدرا کے فلسفے پر گہری نگاہ ڈالی جائے تو اس کا حقیقی جوہر قوت استدلال میں نظر آتا ہے اور جس مقام پر بھی ملا صدرا کے فلسفے میں متصوفانہ پہلو غالب ہے اس کی قدر و منزلت کم از کم فلسفے کی دنیا میں اتنی ہی کم ہے۔ یہاں یہ سوال کہ کیا ملا صدرا کے فلسفے کو ایک جدید فلسفیانہ نظام قرار دیا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی نظام کے بنیادی اصولوں کو نئے نظام کی بنیاد قرار دیا جا سکتا ہو تو بلا شک اصالت وجود (principiality of being)[۴۱] اور تشکیک وجود (systematic ambiguity of being)[۴۲] پر مشتمل ملا صدرا کے جدید فلسفیانہ اصولوں کی بنیاد پر ان کے فلسفے کو ایک نئے فلسفیانہ نظام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ بعد میں فلاسفہ نے اگرچہ ملاصدرا کے فلسفے کا تنقیدی جائزہ لیا ہے، لیکن انہوں نے یا تو ان کے فلسفے کے بنیادی اصولوں کو تسلیم کیا ہے یا اگر ان کو مسترد بھی کیا ہے تو کسی نئے اصول کو متعارف نہیں کرایا۔ بہرحال کم از کم اسلامی دنیا میں ملا صدرا کے بعد سے اب تک کوئی قابل ذکر نیا فلسفیانہ نظام وجود میں نہیں آ سکا ہے۔

اس بات سے قطع نظر کہ ملا صدرا کے افکار و نظریات کی اصل قدر و قیمت کس چیز میں ہے، اور کیا انہوں نے حکمت متعالیہ کے نام سے ایک نئے فلسفیانہ نظام کی بنیاد رکھی ہے یا نہیں، ان کے

مکتب کی ایک اہم خصوصیت یہ نظر آتی ہے کہ انہوں نے بیک وقت ایک متکلم، ایک عارف، ایک فلسفی اور ایک مفسر کی دلچسپی کا تمام مواد فراہم کر دیا ہے اور ان میں سے ہر ایک اپنے منہج اور اپنے ذوق کے مطابق ملا صدرا کے فلسفیانہ مکتب سے رجوع کر سکتا ہے جبکہ ملا صدرا سے پہلے کے کلامی، فلسفیانہ، متصوفانہ مکاتب اور تفسیری مناہج میں یہ خصوصیت موجود نہیں تھی۔

## ملا صدرا کے مآخذ

ملا صدرا کے افکار و نظریات میں قوت تخلیق اور ان کی اصل حیثیت کے تعین کے لئے مندرجہ ذیل تین باتوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

(الف) ایک تو یہ کہ ملا صدرا نے کس حد تک دوسروں کے نظریات کو ہدف تنقید بنایا ہے اور ان کی تنقیدی نگاہ اور ان کے قوت استدلال میں کتنا وزن ہے۔

(ب) دوسرے یہ کہ ملا صدرا کی ان تالیفات کو جن میں انہوں نے زیادہ تر اپنے افکار و نظریات کو پیش کیا ہے، ان آثار سے الگ کر دیا جائے جن میں انہوں نے دوسروں کے اقوال بکثرت نقل کئے ہیں اور انھیں ہدف تنقید بنایا ہے، یا انہیں اپنی تائید کے طور پر پیش کیا ہے لیکن بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا انہوں نے دوسروں کے اقوال یا نظریات میں کسی حد تک تبدیلی کر کے انہیں اپنے نام سے منسوب کر دیا ہے۔

(ج) تیسری بات یہ کہ ملا صدرا نے جن بنیادی فلسفیانہ اصولوں کے انکشاف کا دعویٰ کیا ہے، خود ان کا گزشتہ فلسفیانہ ، کلامی اور عرفانی مکاتب اور ملا صدرا کی طرف سے ان اصولوں سے حاصل کئے جانے والے نتائج کی روشنی میں گہری نگاہ سے جائزہ لیا جائے۔

ملاصدرا نے اپنی تحریروں میں جن شخصیات اور کتابوں کا نام لیا ہے ان کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے علمی استفادہ کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ ملا صدرا کی ذاتی لائبریری کے ذخیرہ کتب کو دیکھنے سے بھی پتا چلتا ہے کہ انہوں نے یونانی فلسفہ کی ترجمہ شدہ کتابوں سے لے کر اپنے معاصرین تک کی اکثر کتابوں کا مطالعہ کیا ہے،(۴۳) البتہ بعض بنیادی کتابوں کی طرف انہوں نے زیادہ رجوع کیا ہے اور ان پر حواشی بھی لکھے ہیں اور بعض کی طرف نسبتاً کم توجہ کی ہے اسی لئے ملا صدرا کی فکر اور تحریروں پر ان کی تاثیر بھی یکساں نہیں ہے۔ بعض کتابوں نے ملا صدرا کی صرف علمی و فلسفیانہ معلومات میں اضافہ کیا ہے اور بعض نے ان کی فکر و نظر کو بدل کر رکھ دیا ہے اور ان کی فلسفیانہ خلاقیت میں ان کتابوں کا بے حد اہم کردار رہا ہے۔

ملا صدرا نے متکلمین کو زیادہ اہمیت نہیں دی اور زیادہ تر انہیں ہدف تنقید بنایا ہے، اس سلسلے میں مشہور اشعری عالم امام فخرالدین رازی کی طرف خاص طور پر اشارہ کیا جا سکتا ہے جن کو ملا صدرا نے اسفار اربعہ میں نہ صرف شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے، بلکہ ان کے لئے بعض مقامات پر نہایت سخت الفاظ بھی استعمال کئے ہیں۔ لیکن ملا صدرا کے افکار و نظریات کو نکھارنے میں فخرالدین رازی کے اعتراضات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ فخرالدین رازی کی کتاب المباحث المشرقیه ابتدائی فلسفیانہ اور کلامی آراء سے ملا صدرا کی آگاہی کا ایک اہم ماخذ ثابت ہوئی ہے۔ معاصر فلسفی سید حسین نصر کا کہنا ہے کہ ملا صدرا کے آثار میں عقلی مباحث کے اندر جتنا بنیادی کردار اشعری علم کلام نے ادا کیا ہے، اتنا معتزلی کلام نے ادا نہیں کیا۔(۴۴) شیعہ کلام میں خواجہ نصیر الدین طوسی کی تجرید اور اس کے شارحین، علامہ حلی، شمس الدین خفری، فخر الدین سمکی، صدر الدین دشتکی اور غیاث الدین منصور کے تحریری آثار، کلامی آراء سے ملا صدرا کی آگاہی کا اہم منبع ثابت ہوئے ہیں۔(۴۵) ان تمام چیزوں کے باوجود ملا صدرا متکلمین کو کم علم اور حقیقی معارف سے بے بہرہ قرار دیتے ہیں۔(۴۶) اسی طرح ملا صدرا نے جلال الدین دوانی، خانوادہ دشتکی اور سید حیدر آملی جیسے شیعہ اہل علم کے کلامی آثار سے بھی، جو زیادہ تر فلسفیانہ اور صوفیانہ رنگ کے حامل ہیں، استفادہ کیا ہے۔(۴۷) یوں شیعہ علماء کے کلامی افکار جن میں فلسفیانہ دلائل اور عرفان و تصوف کو کلام کے ساتھ یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ملا صدرا کی وسیع عقلی عمارت کی تعمیر میں ایک بنیادی ستون ثابت ہوئے ہیں۔(۴۸) شیعہ کلام سے ملا صدرا کی آگاہی اسماعیلی کلام تک پھیلتی چلی گئی ہے جہاں کلام اور فلسفہ کی ابتدائی صورت نے ایک ترقی یافتہ شکل اختیار کر لی تھی۔ ملا صدرا نے اسماعیلی اہل علم کی تصانیف خاص طور پر رسائل اخوان الصفاء اور حمید الدین کرمانی کی کتاب راحة العقل کا بہت اثر قبول کیا ہے۔(۴۹)

ملاصدرا، یونانی فلاسفہ میں طالیس (Thales)، انیکسی مینس (Anaximenes)، فیثا غورث (Pathagoras)، سقراط ، افلاطون اور ارسطو کے بارے میں کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں کہ ان کے ذریعے دنیا پر علم و حکمت کے انوار پھیلے۔ اسی طرح وہ ان کو عشاق حقیقت کے دلوں پر علوم ربانیہ کے اشراق کا سبب قرار دیتے ہیں اور انہیں اہل زہد و عبادت کے طور پر متعارف کراتے ہیں۔ ان کے بارے میں ملا صدرا کا خیال ہے کے یہ حکمائے مطلق ہیں جبکہ ان کے بعد آنے والوں کو حکیم مطلق نہیں قرار دیا جا سکتا۔(۵۰) اگرچہ ملا صدرا افلاطون کے نظریہ مثل کی بھر پور تائید کرتے ہیں لیکن ارسطو سے بہت نزدیک تھے۔ مشائی مکتب فکر کے حوالے سے ملا صدرا الکندی سے بخوبی واقف

تھے اور مذہب و فلسفہ اور وحی و عقل کے درمیان باہمی رابطے کی مشکل کا جوحل انہوں نے پیش کیا ہے اس سے بھی آ گاہ تھے۔ لیکن ملا صدرا نے اپنے آثار میں بہت کم ان کا تذکرہ کیا ہے البتہ وہ فارابی سے زیادہ قریب تھے اور انہوں نے خاص طور پر ان کی کتاب فصول اور فصوص الحکمۃ کا حوالہ دیا ہے[۵۱] اسی لئے وہ صاحبان علم کے لئے خاص طور پر فارابی، ابن سینا اور شیخ اشراق کی کتب کے مطالعے کو لازم قرار دیتے ہیں۔[۵۲] البتہ ملا صدرا نے ابن سینا کی تمام تالیفات سے بھر پور استفادہ کیا ہے اور انہیں اسلامی دور کے عظیم ترین فلاسفہ میں سے قرار دیتے ہیں اور فضل الرحمٰن کے بقول اس کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ ابن سینا نے ایک ایسی بنیاد تشکیل دی تھی جس پر بعد کے تمام مباحث کی عمارت تعمیر ہوئی۔[۵۳] ابن سینا نے اپنے فلسفے کی بنیاد وجود شناسی پر رکھی اور ملا صدرا نے ابن سینا کے فلسفہ موجودیت کو ہی ترقی دے کر اسے اصالت وجود کی صورت میں پیش کیا اور حکمت متعالیہ کے نام سے ایک نئے مکتب کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح ملا صدرا نے ابن سینا کی الٰہیات بالمعنی الاعم اور الٰہیات بالمعنی الاخص[۵۴] کی تقسیم کی بنیاد پر ہی اپنی فلسفی مباحث کو آگے بڑھایا۔

ملا صدرا اگرچہ ابن سینا کی عظمت و بزرگی، طبع لطیف اور ذہانت و ذکاوت کا اعتراف کرتے ہیں،[۵۵] لیکن انہوں نے ان کے فلسفے کو من و عن قبول نہیں کیا بلکہ کہیں وہ ان کے بیانات کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں، کہیں ان پر تنقید کرتے ہیں، کہیں ان میں تبدیلی لاتے ہیں اور کہیں ان کا دفاع کرتے ہیں اور کہیں ان سے شدید اختلاف کرتے ہیں اس سلسلے میں علم باری تعالیٰ اور معاد جسمانی کے مسئلے میں ملا صدرا اور ابن سینا کا اختلاف خاص طور پر قابل ذکر ہے،[۵۶] البتہ معاد جسمانی سے ابن سینا نے انکار نہیں کیا بلکہ اس کے اثبات سے اپنے عجز کا اظہار کیا ہے، لیکن ملا صدرا نے اپنے فلسفیانہ اصولوں کے ذریعے معاد جسمانی کے مسئلے کو حل کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ اگرچہ سہروردی نے بھی ابن سینا کی تعلیمات کو اپنے فلسفے میں سمونے کی کوشش کی تھی لیکن اس کام میں جو کامیابی ملاصدرا کو نصیب ہوئی وہ شیخ سہروردی کو نہیں ہوئی۔ شیخ سہروردی کے نزدیک مشائی فلسفہ حکمت اشراق کے حصول کا ایک بنیادی اصول تھا لیکن یہی فلسفہ ملا صدرا کے نزدیک ایک ایسے عنصر کی حیثیت رکھتا تھا جس نے ایک مربوط ڈھانچے میں مدغم ہو کر حکمت متعالیہ کی بنیاد رکھی۔ ان تمام چیزوں کے باوجود ملا صدرامشائی فلسفہ پر اس حیثیت سے تنقید کرتے ہیں کہ یہ فلسفہ کشف و شہود سے دور ہے۔[۵۷] اسی طرح ملا صدرا ابن سینا کی طرح شیخ سہروردی کی علمی گہرائی و گیرائی اور عقلی برتری کی تعریف کرتے ہیں۔[۵۸] اور انہیں اسرار الٰہی میں ڈوبے ہوئے شخص کے عنوان سے یاد کرتے ہیں۔[۵۹] وہ اپنی اکثر کتابوں میں ان کے نظریات سے استفادہ بھی کرتے ہیں۔ شرح حکمت اشراق

پر ملا صدرا کے حواشی اس بات کا ثبوت ہیں کہ انہیں شیخ اشراق کے فلسفیانہ اصولوں پر عبور تھا اور چونکہ ملا صدرا کا علمیاتی و معرفتی منہج شیخ اشراق سے قریب تر تھا لہذا حکمت اشراق کو ملا صدرا کے فلسفی افکار میں بنیادی تغیر کا محرک قرار دیا جا سکتا ہے۔ البتہ جس طرح شیخ اشراق کے افکار و نظریات سے فلسفہ مشاء کو جدا کیا جا سکتا ہے اس طرح انہیں ملا صدرا کے فلسفے سے جدا نہیں کیا جاسکتا کیونکہ شیخ اشراق جب مشائی حکماء سے ہم کلام ہوتے ہیں تو انہی کے منہج کے مطابق استدلال و برہان سے استفادہ کرتے ہیں لیکن جب حکمۃ الاشراق کے بانی کے طور پر گفتگو کرتے ہیں تو اپنے گہرے روحانی تجربات کی بنا پر بالکل ایک خاص زبان استعمال کرتے ہیں جس میں علامتی رنگ اور غیر معمولی تشبیہات و کنایات کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے اور اسی چیز نے ملا صدرا کو بھی بہت زیادہ متاثر کیا۔ بہرحال ملا صدرا نے باطنی شہود سے پیدا ہونے والی معرفت کو عقلی بنیادوں پر استوار کرنے میں سہروردی سے زیادہ کامیابی حاصل کی اور سہروردی کے تصور حکمت الٰہی کو کامل تر انداز میں پیش کیا، ان ہی کے راستے کو آخر تک پہنچایا، نئے مسائل کو دریافت کیا اور زیادہ گہرائی میں اتر کر مسائل کا جائزہ لیا۔

ملا صدرا نے اگرچہ سہروردی سے بہت کچھ حاصل کیا لیکن ان کے بعض بنیادی اصولوں سے اختلاف بھی کیا۔ مثلاً ملا صدرا اصالت وجود کے قائل تھے جبکہ سہروردی کی تحریروں میں اصالت ماہیت کا رجحان نظر آتا ہے اور یہی بنیادی اصول آگے چل کر ملا صدرا اور سہروردی کے درمیان بہت سے مسائل میں اختلاف کا باعث بنا۔

ملا صدرا کے دیگر مآخذ میں مشائخ عرفان خاص طور پر محی الدین ابن عربی کے افکار و نظریات شامل ہیں جنہیں ملا صدرا قدوۃ المکاشفین کے نام سے یاد کرتے ہیں۔[۶۰] چنانچہ عملی ریاضت اور عقلی راستوں کو سیر و سلوک عرفانی کے ساتھ ہم آہنگ کرنے، معرفت نفس، عوالم خمسہ اور ان کے مراتب، قبر، برزخ، اور بہشت و دوزخ جیسے مسائل حتی کہ حکمت متعالیہ کے بہت سے بنیادی اصولوں میں اہل عرفان و تصوف کے افکار کی تاثیر کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ معاصر فلسفی سید حسین نصر نے خاص کر ابن عربی، صدر الدین قونوی، عبدالرزاق کا شانی، داؤد قیصری اور مکتب ابن عربی کی دیگر بڑی شخصیات کے افکار کے ساتھ ملا صدرا کے فلسفیانہ نظریات کے ارتباط کو بیان کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر ملا صدرا کے نظریات کا عرفانی تعلیمات سے موازنہ کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ ملاصدرا کی مابعد الطبیعہ، روحانی کشف و شہود کی عقلی تعبیر ہے۔[۶۱] ان کا کہنا ہے کہ کوئی بھی ایسا بنیادی نکتہ نہیں ہے جس کے سلسلے میں ملاصدرا نے ابن عربی سے اختلاف کیا ہو۔ ابن عربی سے ان کا اختلاف صرف شر

اور جبر و اختیار جیسے بعض مسائل پر ہے لیکن ملا صدرا نے بہت سے ایسے مسائل پر بھی بحث کی ہے جن پر نہ ابن عربی کے مکتب نے اور نہ ہی کسی اور مکتب نے صراحت کے ساتھ روشنی ڈالی تھی۔[۶۲]

ملا صدرا نے اپنی کتاب اسفار اربعہ کا نام اہل عرفان کے چار معنوی سفروں پر ہی رکھا ہے جو خلق سے حق تک، حق کے ساتھ حق سے حق تک، حق کے ہمراہ حق سے خلق تک اور حق کے ساتھ خلق سے خلق تک سفر کرنے سے عبارت ہے۔[۶۳] استاد مطہری کے بقول ملا صدرا کے نظریہ اصالت وجود کے دو اہم ماخذ ہیں۔ ایک تو متکلمین کی فلسفیانہ بحثیں کہ جو فلسفیانہ مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتے تھے اور فلاسفہ کے نظریات کو ہدف تنقید بناتے تھے دوسرے مآخذ محی الدین ابن عربی اور ان کے بعد کے عرفاء کے آثار تھے کیونکہ ابن عربی اور ان کے شاگردوں نے وجود کے بارے میں پہلی بار فلسفیانہ انداز میں بحث کی ہے۔[۶۴]

ملا صدرا نے اسفار اربعہ کی دوسری جلد میں شرح فصوص الحکم سے محی الدین ابن عربی اور قیصری کی جو عبارات نقل کی ہیں ان میں اصالت وجود، وجود و علیت، اتحاد ماہیت و وجود، وجود کی طرف وحدت و اتحاد کی برگشت جیسے ملا صدرا کے نظریات کی جھلک کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے، اسی طرح ملا صدرا کے نظریہ تشکیک وجود کو بھی ضمنی طور پر ان عبارات میں دیکھا جا سکتا ہے۔[۶۵] ملا صدرا کے نظریہ حرکت جوہری کو بھی اہل عرفان کے نظریہ تجددِ امثال کا ہی پرتو قرار دینا چاہیے کیونکہ ابن عربی اپنی کتاب فصوص الحکم میں واضح طور پر خلق جدید (creato continua) اور تجددامثال کے عنوان سے حرکت جوہری کے خدو خال کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔[۶۶] اسی طرح ملا صدرا مراتب انسان کامل، ارتقائے نفس، تناسخ حشر نفوس، تجرد و خیال، معاد جسمانی، تجسم اعمال، احوال روز قیامت، بہشت و دوزخ کی حقیقت اور عذاب دائمی سے متعلق اپنے نظریات میں ابن عربی سے شدید متاثر نظر آتے ہیں۔ البتہ خود ملا صدرا کا بھی اس بات پر اصرار ہے کہ وہ اپنی تحقیقات کی بنیاد قدماء یا عرفاء کے کلمات میں تلاش کرتے ہیں۔ اسی لئے ملا صدرا کا کہنا ہے کہ انہوں نے نظریہ وحدت وجود کو عرفاء اور قدیم ایرانی حکماء سے حاصل کیا ہے اور قدمائے یونان کی کتب کو اپنے نظریہ حرکت جوہری کا ماخذ قرار دیا ہے۔[۶۷] لیکن حقیقت یہ ہے کہ ملا صدرا نے قدماء سے جو کچھ نقل کیا ہے وہ غیر مدلل ظواہر کے سوا کچھ نہیں ہے، بلکہ قدماء کے ان کلمات کو بھی اپنے نظریہ کی تائید قرار دیا ہے جن کی دلالت واضح نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں نے بھی ان افکار کو دیکھا تھا لیکن ملا صدرا کی محققانہ اور غیر مقلدانہ روح نے ان میں جن دقائق کا انکشاف کیا اور جن بنیادی اصولوں کو اخذ کیا اور پھر متعدد براہین کی صورت میں بیان کیا ان تک کوئی دوسرا نہیں پہنچ سکا۔[۶۸] لیکن خود ملا

صدرا کے بقول انہوں نے سب سے زیادہ استفادہ قرآنی آیات اور احادیث نبوی اور روایات ائمہ سے کیا ہے لہذاوہ بہت سی عقلی و فلسفیانہ مباحث میں آیات و روایات کو سند کے طور پر پیش کرتے ہیں اور اپنے بعض جدید فلسفیانہ افکار کو قرآنی آیات کا رہین منت قرار دیتے ہیں۔ بظاہر ملا صدرا عالم اسلام میں وہ پہلے فلسفی ہیں جنہوں نے تفسیر قرآن کے میدان میں قدم رکھا اور کتب احادیث کی شرح لکھی۔ اسی لئے ملا صدرا نے شریعت الٰہیہ کو نہ صرف کبھی عقلی و یقینی معارف سے متصادم نہیں سمجھا، بلکہ انہوں نے عقلی معارف کو کتاب و سنت پر پرکھنے اور منطبق کرنے پر بے انتہا زور دیا ہے، حتی کہ جو یقینی معارف، قرآن و سنت اور انبیائے الٰہی کی تعلیمات سے ہم آہنگ نہ ہوں، انہیں وہ حکمتِ حقیقی کے دائرے سے خارج سمجھتے ہیں۔(۶۹) لیکن ملاصدرا کی تفسیری روش کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے قرآنی آیات کے ذریعے بہت سے حقائق اخذ کیے ہیں لیکن بنیادی طور پر ایک فلسفی، حکیم اور عارف ہونے کی بنا پر ہی انہیں قرآن و سنت سے مدد لینے میں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ دوسرے الفاظ میں مقام تحقیق میں انہوں نے قرآن و سنت سے استفادہ ضرور کیا ہے لیکن قرآنی حقائق کو فلسفیانہ اصولوں کی صورت دینے میں ان کے قوتِ استدلال اور عارفانہ بصیرت نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

## ملاصدرا کے ناقدین

ان تمام چیزوں کے باوجود ملا صدرا کا فلسفہ اہل نظر کی تنقیدوں سے محفوظ نہیں رہ سکا ہے اور اس بات پر بھی اختلاف موجود رہا ہے کہ آیا ملا صدرا نے حقیقی معنی میں ایک نئے فلسفیانہ نظام کی بنیاد رکھی ہے یا حکمائے ما سلف کے آثار کا نہایت زیرکی اور ہوشیاری کے ساتھ انتخاب کر کے انہیں ایک منظم شکل میں پیش کر دیا ہے۔

ملا صدرا پر تنقید کرنے والوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اول، وہ علماء جنہوں نے ملا صدرا کے مذہبی نظریات کو ہدف تنقید بنایا ہے۔(۷۰) دوسرا گروہ، ملا صدرا کے ان حامیوں پر مشتمل ہے جنہوں نے ان کی کتابوں پر حواشی لکھے اور ان میں ملا صدرا کے افکار و نظریات پر تنقید کی ہے، لیکن مجموعی طور پر انہوں نے ان کے فلسفے کو قبول کیا۔(۷۱) تیسرا گروہ ان معاصر علماء کا ہے جنہوں نے ملا صدرا کے نظریات سے بنیادی اختلاف کیاہے۔ ان میں سے بعض نے مشائی فلسفے کے اصولوں کی حمایت میں ملا صدرا کے نظریات کو سخت ہدف تنقید بنایاہے۔ اس سلسلے میں علامہ حائری مازندرانی کا نام قابل ذکر ہے۔(۷۲) اسی طرح بعض نے ملا صدرا کے منابع و مآخذ پر سخت اعتراض کیا ہے۔ ان

میں مرحوم ضیاء الدین دُرّی کا نام قابل ذکر ہے۔ جبکہ بعض نے جدید علمی اور سائنسی نظریات کی پیروی کرتے ہوئے ملا صدرا کے فلسفے پر تنقید کی ہے۔(۷۳)

مرحوم ضیاء الدین دُرّی نے ملا صدرا کی اہم ترین کتاب اسفار اربعہ کے مآخذ پر نہایت دقیق انداز میں تنقید کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ملا صدرا کی کتاب اسفار اربعہ چونکہ مختلف کتابوں سے اخذ کی گئی ہے لہذا سالہا سال تک اس نے لوگوں کو شبہ میں ڈالے رکھا حتی کہ مرحوم سبزواری بھی جنھوں نے اس کتاب پر حاشیہ لکھا ہے، اس نکتے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ اسی طرح ان کے استاد ملا علی نوری، ملا اسماعیل مرحوم اور احد العین اصفہانی بھی اس مسئلے کو نہیں سمجھ پائے۔ ابتداء میں میں نے بھی گزشتہ علماء کی طرح نیک گمان کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کیا، لیکن جب دوسری مرتبہ تحقیقی انداز میں اس کتاب پر نظر ڈالنا چاہی تو اتفاق سے میری نظر امام فخرالدین رازی کی مباحث مشرقیہ پر پڑ گئی تو ملا صدرا کی طرف سے مجھ میں تھوڑی بہت بدگمانی پیدا ہونا شروع ہو گئی۔ آہستہ آہستہ مجھ پر یہ راز منکشف ہوا کہ اس کتاب کی دو تہائی عبارتیں مسلمہ طور پر دوسروں سے نقل شدہ ہیں جبکہ ملا صدرا نے ان کی نسبت اپنی طرف کی ہے لہذا میں نے اس غرض سے کہ دوسروں کی حق تلفی نہ ہو اور ان کی روح کی شادمانی کا سامان فراہم کر سکوں اس کتاب کے مندرجات کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ اب تک مجھے اپنے مقصد میں ایک حد تک کامیابی ہوئی ہے لیکن پورے طور پر نہیں کیونکہ مصنف نے جن کتابوں سے اقتباسات نقل کئے ہیں ان کی تعداد شائد سو سے بھی زیادہ ہے اور میں ابھی تک تمام کتابوں کو تلاش نہیں کر سکا ہوں، لعل الله يحدث بعد ذالك امرا۔

ضیاء الدین مرحوم مزید لکھتے ہیں کہ ملا صدرا نے جن کتابوں کو اسفار کا مآخذ قرار دیا ہے ان میں سے بعض شائع ہو چکی ہیں اور بعض شائع نہیں ہوئی ہیں لیکن ان کے قلمی نسخے موجود ہیں۔ جبکہ بعض قلمی نسخے گم ہو چکے ہیں یا نایاب ہیں مثلاً شیخ الرئیس کی مباحثات یا بہمنیار کی البہجۃ والسعادۃ یا شہر زوری کی الشجرۃ الالٰہیہ--- (بہر حال) اس کتاب کا پہلا حصہ زیادہ تر میر داماد کی کتاب الافق المبین سے لیا گیا ہے، دوسرا حصہ زیادہ تر المباحث المشرقیہ اور شرح المقاصد سے لیا گیا ہے تیسرا حصہ زیادہ تر محقق دوانی کی تالیفات سے لیا گیا ہے اور چوتھا حصہ جو معاد سے مربوط ہے، غیاث الدین منصور کی تصنیفات سے لیا ہے۔ اس کے بعد ضیاء الدین درّی نے تفصیل کے ساتھ ان کتابوں کا تذکرہ کیا ہے جن سے ملا صدرا نے حوالہ دیے بغیر استفادہ کیا ہے۔(۷۴)

اس سے قبل مرزا ابو الحسن جلوہ (متوفی ۱۳۱۴ھ) وہ پہلے فلسفی تھے جنھوں نے ملا صدرا کے مآخذ

پر تنقید کی ہے۔ اسفار اربعہ کے اکثر مآخذ تک ان کی رسائی تھی اور انہوں نے اسفار پر حواشی لکھتے ہوئے ملا صدرا سے پہلے کے حکماء و عرفاء کی کتابوں میں سے اچھی خاصی حد تک اصل مآخذ کی نشاندہی کی ہے۔ انہوں نے ایسے دور میں حرکت جوہری ، وحدت وجود اور اتحاد عاقل و معقول جیسے ملا صدرا کے بنیادی اصولوں پر تنقید کی جب ہر طرف حکمت متعالیہ کا بول بالا تھا۔ لیکن مرزا ابو الحسن جلوہ اور ضیاء الدین دری کے بارے میں ماہرین حکمت متعالیہ کا خیال ہے کہ وہ ملا صدرا کے فلسفی نظام کا صحیح طور پر ادراک نہیں رکھتے تھے۔ معاصر فلسفی استاد جلال الدین آشتیانی جنہوں نے ملا محسن فیض کی کتاب اصول المعارف پر اپنے حواشی میں حرکت جوہری کے سلسلے میں ملا صدرا کے نظریات اور ان پر ہونے والے اعتراضات کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے، کا کہنا ہے کہ یہ جو مبانی حکمت سے نابلد حضرات نے اپنے گمان میں ملا صدرا کے افکار و نظریات کے منابع کو دریافت کرنے کا دعویٰ کیا ہے اور کہا ہے کہ ملا صدرا کسی فلسفی مکتب کے بانی نہیں تھے اور انہوں نے محض دوسروں کے نظریات کو اپنے سے منسوب کر لیا ہے، انہیں بنیادی فلسفیانہ اصولوں کا فہم و ادراک نہیں ہے اور بلاوجہ خود کو حکمت و فلسفہ کے ماہر کے طور پر متعارف کراتے ہیں۔ ملاصدرا کے فلسفے میں مہارت حاصل کرنے اور اس وادی میں قدم رکھنے کے لئے ماہر اساتذہ کی نگرانی میں اس فن پر تحقیق و مطالعہ کی ضرورت ہے۔(۷۵)

ایک اور جگہ استاد جلال الدین آشتیانی کا کہنا ہے کہ مرزا ابو الحسن جلوہ نے حرکت جوہری، اتحاد عاقل و معقول اور وحدت وجود پر جو اعتراضات کئے ہیں، ان کو دیکھ کر یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ انہیں ملا صدرا کے فلسفے میں مہارت نہیں تھی۔ میں نے فلسفیانہ کتب پر ان کے حواشی کا بھی مطالعہ کیا ہے لیکن میں نے ان کی کوئی بھی ایسی علمی تحقیق نہیں دیکھی جس سے اس قسم کے مسائل میں ان کے اہل نظر ہونے کا اندازہ ہوتا ہو۔(۷۶)

اسی طرح ایک اور مقام پر وہ لکھتے ہیں: میں نے سوائے دو تحقیقی رسالوں کے ملا صدرا کے ان تمام مآخذ کو تلاش کر لیا ہے۔ جن سے انہوں نے اپنے علمی آثار میں استفادہ کیا ہے اور میں نے ملا صدرا کے آثار میں کسی بھی مجہول اور غیر مستند ماخذ کو نہیں دیکھا ہے۔ علم کلام میں ملا صدرا نے شرح مقاصد، مواقف، علامہ طوسی کی تجرید کی مختلف شروح جیسے شرح قدیم، شرح قوشچی، شرح علامہ فخرالدین رازی اور شمس الدین خفری کے حواشی، علامہ دوانی کے قدیم، جدید اور جدید تر تینوں حواشی اور دشتکی کے حواشی اور آثار کے علاوہ کلامی و فلسفی کتب میں امام فخرالدین رازی کے تحریری آثار، عرفانیات اور اخلاق میں جواہر الکلام اور احیاء العلوم جیسے امام غزالی کے آثار سے استفادہ کیا ہے اور زیادہ قدیمی

آثار میں شیخ یونانی کی اثو لوجیا پر انہوں نے سب سے زیادہ توجہ دی ہے۔ حرکت جوہری، اتحاد عاقل و معقول، علم حق تعالیٰ، معاد جسمانی سے مربوط بعض مسائل، عقل فعال کے ساتھ نفس کے اتحاد، اور وحدت وجود وغیرہ کے مسئلے میں اس کتاب سے ملا صدرا کا استفادہ بہت زیادہ واضح و آشکار ہے اور انہوں نے اپنی تمام علمی کتب میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ قدماء کے افکار پر ملا صدرا کی علمی تحقیق کا اصل منبع یہی کتاب ہے اور ملا صدرا کا اس بات پر فخر کرنا کہ مجھ میں اثولوجیا سے ان تمام معارف کو اخذ کرنے کی صلاحیت موجود ہے بجائے خود اس چیز کی دلیل ہے کہ وہ اہل انصاف تھے۔ (البتہ ملاصدرا نے غلط طور پر دوسروں کے اتباع میں اس کتاب کو معلم اول ارسطو سے منسوب کیا ہے)۔ ملا صدرا کی اعلیٰ تحقیقات کا ایک اور اہم منبع کتاب اخوان الصفا تھی اور یہ کتاب اس زمانے میں ہر محقق کے پاس موجود تھی اور اس بات کا کوئی امکان نہیں تھا کہ ملا صدرا چپکے سے اس کتاب سے استفادہ کر لیتے اور کسی کو خبر بھی نہ ہوتی۔(۷۷) اور اگر ملا صدرا نے بہت سے ایسے فلسفیانہ و عرفانی مطالب کو حوالہ دیے بغیر نقل کیا ہے کہ جو ان سے مخصوص نہیں ہیں تو یہ چیز اس زمانے کے محققین اور دانشوروں کے درمیان رائج تھی اور اسے عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بنیادی طور پر ملا صدرا کا اپنا ایک طرز بیان ہے جو دوسرے علماء کی تحریروں سے ممتاز ہے۔(۷۸)

علاوہ ازیں ملا صدرا کے آثار خاص طور پر ان کی کتاب اسفار اربعہ میں پائی جانے والی بے ربطی و بے ترتیبی، ایک فصل میں اس سے مربوط مطالب کا تذکرہ نہ ہونے، ماخذ کی طرف اشارہ کئے بغیر نقل اقوال، قائل کا حوالہ نہ دینے، بعض العرفاء، بعض المتکلمین، بعض المتاخرین جیسی تعبیرات لانے اور حتمی رائے کے اظہار کے وقت کشف و شہود سے استفادہ کرنے یا بزرگ علماء و حکماء کے نظریات پر صرف ان کی شخصیت کی وجہ سے حد سے زیادہ اعتماد کرنے جیسی وجوہ نے بھی بعض علماء کی نظر میں مکتب حکمت متعالیہ کو مشکوک بنا دیا۔

بنابریں اگرچہ ملا صدرا نے وسیع پیمانے پر اہل عرفان، فلاسفہ اور متکلمین سے استفادہ کیا ہے لیکن انہوں نے ان کے افکار و نظریات سے جو نتائج اخذ کئے ہیں اس میں خود ان کی ذاتی استعداد کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اسی لئے معاصر فلسفی سید حسین نصر ملا صدرا کے منابع کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک کا تعلق ظاہری اور تاریخی مآخذ سے ہے اور دوسرے کا تعلق الہام، اشراق اور روحانی شہود سے ہے۔(۷۹) جبکہ استاد جوادی آملی ملا صدرا کی ذات میں پیدا ہونے والے تغیر کو ان کے افکار کا اصل منبع قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ملا صدرا نے پہلے اپنی ذات کی گہرائیوں میں تبدیلی کو محسوس کیا پھر انہوں نے اپنی ذات سے باہر حرکت جوہری کا نظریہ پیش کیا۔ انہوں نے

دوسرے علماء کی طرح تدریجاً علم حاصل نہیں کیا بلکہ ان کے نظریات ان کی ذات میں اچانک واقع ہونے والے ایک بڑے تغیر کا نتیجہ ہیں۔(۸۰)

حقیقت یہ ہے کہ ملا صدرا کے افکار و نظریات میں دلیل و برہان اور کشف و شہود کی آمیزش اس قدر شدید ہے کہ ان دونوں کو جدا کرنا آسان کام نہیں ہے لہذا ان کے افکار کے حقیقی اور حتمی مآخذ کی طرف اشارہ کرنا مشکل ہے خاص طور پر اس لئے بھی کہ ملا صدرا نے بہت سے مقامات پر صرف مخالفتوں سے بچنے اور علماء کے درمیان اپنے نظریہ کو قابل قبول بنانے کے لئے دوسروں کے اقوال اور نظریات کو سند کے طور پر پیش کیا ہے یا یہ اقوال اور نظریات زیادہ سے زیادہ کسی مسئلے کی طرف ملا صدرا کی توجہ مبذول کرانے کے اعتبار سے اہمیت کے حامل ہیں۔ ان تمام چیزوں کے باوجود بہر حال تاریخی اعتبار سے ملا صدرا کے افکار و نظریات کے منابع کی نشاندہی کی جا سکتی ہے اور اس سلسلے میں ملا صدرا کی کتاب کسر اصنام الجاہلیۃ پر معاصر دانشور محمد تقی دانش پژوہ کے مقدمے کو اس حوالے سے اب تک کی جانے والی تحقیقات میں کافی اہمیت حاصل ہے کہ جنہوں نے ملا صدرا کے اہم نظریات کے تفصیلی مآخذ پر جامع تحقیق کی ہے۔(۸۱)

## حوالہ جات

۱۔ سید حسین نصر، مقدمہ، رسالہ سہ اصل از ملا صدرا، تہران، ۱۳۴۰ ھ ش۔

۲۔ علی اصغر حلبی، تاریخ فلاسفہ ایرانی، کتاب فروشی زوار، ۱۳۵۱ ھ ش، ص ۵۲۴۔

۳۔ یادنامہ ملاصدرا، دانشگاہ تہران، تہران، ۱۳۴۰ ھ ش، ص۴۔

۴۔ ایضاً

۵۔ علی اصغر حلبی، تاریخ فلاسفہ ایرانی، ص۵۲۵۔

۶۔ شیخ بہاء الدین عاملی شاہ عباس بزرگ کے دور کے نامور عالم اور دانشور تھے۔ عربی اور فارسی میں ان کی کتابوں کی تعداد ۸۸ تک پہنچ جاتی ہے۔ ان کی تالیفات میں سے نان و حلوا، شیر و شکر، جامع عباسی، کتاب اربعین اور کشکول کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

۷۔ میر سید محمد باقر المعروف میر داماد صفوی دور کے معروف فقیہ اور فلسفی تھے۔ وہ ایران کے شہر مشہد میں پیدا ہوئے اور وہاں پر ہی انہوں نے عربی ادب، فقہ، اصول، حدیث، رجال، درایۃ الحدیث، منطق، کلام اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے نوجوانی میں ہی الاشارات و التنبیہات اور الشفاء جیسی فلسفے کی مشکل کتابوں پر مکمل دسترس حاصل کی اور پھر فلسفے اور دیگر علوم میں کتابیں اور شروحات لکھیں۔ ان کی تالیفات میں الافق المبین، الصراط المستقیم، قبسات، انموذج العلوم اور التقدیسات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

۸۔ تاریخ فلاسفہ ایرانی، ص ۵۲۵۔

۹۔ ایضاً

۱۰۔ متصوفانہ منہج دراصل کشف و شہود کا راستہ ہے۔ اس سے مراد براہ راست ذاتی تجربے کے ذریعے حقیقت(حق الیقین) تک پہنچنا ہے۔ اس کا تعلق حدود فکر و نظر سے نہیں ہوتا۔ دوسرے الفاظ میں حق الیقین مطلوب حقیقی کا بلاواسطہ دیدار ہے۔

۱۱۔ تاریخ فلاسفہ ایرانی، ص۵۲۵۔

۱۲۔ فلسفہ میں عالم معقول کی اصطلاح عالم محسوس کے مقابلے میں استعمال کی جاتی ہے۔ یہاں پر عالم معقول کا مشاہدہ کرنے سے مراد کشف و شہود کے ذریعے مابعد الطبیعی حقائق تک پہنچنے کا دعویٰ ہے۔

۱۳۔ سید حسین نصر، مقدمہ رسالہ سہ اصل از ملا صدرا۔

۱۴۔ علم ذہن (عقل) میں اشیاء سے حاصل ہونے والی صورتوں سے عبارت ہے۔ عینی اشیاء سے ذہن میں حاصل ہونے والی صورتیں معلوم بالذات اور خارجی و عینی اشیاء معلوم بالعرض کہلاتی ہیں۔ اس لحاظ سے اگر اشیاء کا علم کسی کے واسطے سے ہو تو اسے علم حصولی یا انطباعی کہتے ہیں جبکہ بلاواسطہ علم کو (یعنی جس میں صورت واسطہ نہ بنے) علم حضوری کہتے ہیں جیسے ہر انسان کا اپنی ذات کے بارے میں علم۔ استدلالی علم کا تعلق بھی علم حصولی سے ہوتا ہے جبکہ عرفانی و شہودی منہج یا راہ کشف و شہود کا تعلق علم حضوری سے ہوتا ہے۔

۱۵۔ ایضاً، ص۵

۱۶۔ ایضاً، ص۸

۱۷۔ جوادی آملی، رحیق مختوم بخش یکم از جلد اول، مرکز نشر اسراء، قم، ۱۳۷۵ ھ ش، ص۲۸۔۳۰

۱۸۔ ارسطو کی منطق میں پہلے سے معلوم قضیوں کے ذریعے نامعلوم اور مجہول قضیوں تک پہنچنے کو حجت(Argument) یا استدلال(Reasoning) کہا جاتا ہے۔ استدلال یا قیاسی (Syllogism) ہوتا ہے یا استقرائی (Inductive) اور تمثیلی (Allegorical)۔ قیاس میں کلی سے جزی کی طرف سفر کیا جاتا ہے اور استقراء میں جزی سے کلی کی طرف جبکہ تمثیل میں کسی ایک چیز کے حکم کو شباہت کی وجہ سے دوسری چیز پر لگایا جاتا ہے اور اسی کو فقہی قیاس بھی کہتے ہیں۔ قیاس چند قضیوں پر مشتمل قول سے عبارت ہوتا ہے اس طرح کے یہ قول (مقدمات) اپنی ذات میں ایک اور قول (نتیجہ) کو مستلزم ہو۔ مثلاً ہوا جسم ہے اور ہر جسم وزن رکھتا ہے پس ہوا وزن رکھتی ہے۔ قیاس کو اپنی صورت کے اعتبار سے بھی صحیح ہونا چاہیے اور اپنے مواد یا نفس مضمون کے اعتبار سے بھی۔ قیاس اپنے مقدمات کے اعتبار سے قدر و قیمت کا حامل ہوتا ہے اگر اس کے مقدمات یقینی ہوں کہ جو محسوسات، اولیات، تجربیات، متواترات اور حد اوسط(Middle Term) کے حامل قضایا سے عبارت ہیں، تو برہان کہلاتا ہے وگرنہ جدل، سفسطہ، خطابہ یا شعر ہوتا ہے۔ برہان یا لمی(causal proof) یا انّی(posteriori demonstration)ہوتا ہے۔ برہان لمی میں علت سے معلول تک پہنچا جاتا ہے۔ ارسطو کے نزدیک برہان لمی برہان انی سے اشرف ہے کیونکہ علت کو پہچان لینے سے معلول کی تمام ذات اور خصوصیات کو پہچان لیا جاتا ہے لیکن معلول کی پہچان سے علت کی تمام خصوصیات کو صرف معلول کی حد تک ہی پہچانا جا

سکتا ہے۔ علاوہ ازیں علت کا علم مشخص و معین معلول کے علم کو مستلزم ہوتا ہے لیکن معلول کا علم ایک اجمالی علت کے علم کا باعث ہوتا ہے نہ کہ معینہ علت کے۔ دوسرے الفاظ میں برہان لمی میں حد اوسط نتیجہ تک پہنچنے کی علت بھی بنتا ہے اور حقیقت میں بھی نتیجہ کی علت ہوتا ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں اس جگہ پر آگ موجو د ہے (حد اصغر) اور جس جگہ آگ موجود ہوتی ہے وہاں حرارت بھی ہوتی ہے (حد اکبر) پس اس جگہ پر حرارت موجود ہے (نتیجہ)۔ اس مقام پر آگ (حد اوسط) نتیجہ (حرارت) کے علم کی بھی علت ہے اور حقیقت میں بھی حرارت کا سبب ہے۔ لیکن برہان انّی میں حد اوسط صرف نتیجہ کے علم کا باعث ہوتا ہے، حقیقت میں نتیجہ کی علت نہیں ہوتا۔ جیسے حرارت کے ذریعے آگ کا علم تو حاصل ہوجاتا ہے لیکن حقیقت میں حرارت آگ کی علت نہیں ہوتی۔ البتہ برہان کی ایک اور قسم بھی ہے جو نہ محض لمی ہے اور نہ محض انی بلکہ اس میں ایک معلول سے دوسرے معلول تک پہنچا جاتا ہے جبکہ ایک تیسری شئے دونوں معلول کے لئے علت ہوتی ہے۔

۱۹۔ معاصر فلسفی سید حسین نصر کا کہنا ہے کہ قیصری جیسے عرفا نے ملا صدرا سے بہت پہلے حکمت متعالیہ کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ حتیٰ کہ اس اصطلاح کو قطب الدین شیرازی جیسے بزرگ مشائی فلاسفہ کے آثار میں بھی دیکھا جا سکتا ہے، لیکن ان فلاسفہ نے ''حکمت متعالیہ'' کی اصطلاح کو جن معنی میں استعمال کیا ہے وہ کسی صورت میں بھی اس معنی میں نہیں ہے جس میں ملا صدرا کی تحریروں میں اور ان کے شاگردوں نے استعمال کیا ہے۔ درحقیقت ملا صدرا اور ان کے پیروکاروں اور شاگردوں نے حکمت متعالیہ کی اصطلاح کو بہت عمیق معنی میں اور ملا صدرا کی مابعد الطبیعی اور فلسفی بنیادوں کی طرف اشارہ کرنے کے لئے استعمال کیا ہے۔ اگرچہ ملاصدرا نے خود اس اصطلاح سے استفادہ کیا ہے لیکن اسے ان کے بالواسطہ اور بلاواسطہ شاگردوں کی وجہ سے شہرت ملی ہے جنہوں نے اپنے استاد کے خاص مکتب کو متعارف کرانے کے لئے اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے۔ ملاصدرا سے ایک نسل بعد ان کے داماد اور ان کے معروف ترین شاگرد ملا عبدالرزاق لاہیجی نے اپنے استاد کے فلسفے کو حکمت متعالیہ کا نام دیا ہے۔ اگر ملاصدرا کے آثار کی طرف رجوع کیا جائے تو ان میں کوئی ایسی عبارت نہیں ملتی کہ جس میں انہوں نے واضح طور پر اپنی فلسفیانہ روش کو حکمت متعالیہ کے نام سے یاد کیا ہو۔ (مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو: سید حسین نصر، حکمت متعالیہ چیست؟ مترجم عبد الرحیم مروشتی، روزنامہ عصر آزدگان، ۲۷دی ماہ، ۱۳۷۸ش)

۲۰۔ صدرالدین شیرازی، الاسفار الاربعہ، تصحیح محمد حسین طباطبائی، ج۲، بیروت، ۱۴۰۲ ھ، ص۲۹۲۔

۲۱۔ ایضاً، ج۱، ص۳۶۱۔

۲۲۔ صدر الدین شیرازی، المبداء و المعاد، تصحیح سید جلال الدین آشتیانی، انتشارات انجمن فلسفہ ایران، تہران ۱۳۵۴ھ ش،ص۴۵۴۔

۲۳۔ صدر الدین شیرازی، الاسفار الاربعہ،ج۹، ص۱۰۸۔

۲۴۔ صدر الدین شیرازی، المبداء و المعاد،ص۲۶۶۔

۲۵۔ صدر الدین شیرازی، الاسفار الاربعہ، ج۹، ص۲۳۴۔

۲۶۔ صدر الدین شیرازی، المبداء و المعاد، ص۳۸۱،۳۸۲۔

۲۷۔ صدرالدین شیرازی، الاسفار الاربعہ، ص۳۱۵۔

۲۸۔ محمد خواجوی، دو صدرالدین یا اوج شہود و اندیشہ در جہان اسلام، صدر الدین قونوی، صدرا لدین شیرازی، انتشارات مولیٰ،تہران، ۱۳۷۸ھ ش، ص۱۸۵۔

۲۹۔ ملا رجب علی تبریزی، مرزا ابوالحسن جلوہ اور علامہ حائری سمنانی کا اس سلسلے میں خاص طور پر تذکرہ کیا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو: علی رضا ذکاوتی فراگوزلو، انتقاد بر ملا صدرا در عصر ما، کیہان فرہنگی،سال ہشتم، شمارہ ہفتم، ص۲۰_۲۳

۳۰۔ مرتضی مطہری، مجموعہ آثار، ج۱۳، انتشارات صدرا، تہران ،ص۲۳۲۔

۳۱۔ Corbin,H," *La place de Molla Sadra Shirazi dansla philosophy iranienne* *Studia Islamica*,Gp Maisonneuve,Larose,Pris,1962.

بحوالہ فرامرز قراملکی، روی آورد بین رشتہ ای و ہویت معرفت فلسفہ صدرائی، مقالات و بررسیھا، دانشکدہ الٰہیات و معارف اسلامی، شمارہ ۶۳، تابستان، ۱۳۷۷ ھ ش سال سی و یکم۔

۳۲۔ غلام حسین ابراہیمی دینانی، حکمت متعالیہ در آیینہ احادیث، خرد نامہ صدرا، شمارہ ۱۰، زمستان ۱۳۷۶ ھ ش

۳۳۔ مرتضی مطہری، مجموعہ آثار، ج۱۳، ص۲۳۳۔

۳۴۔ seyyed Hossein Nasr, *History of Islamic Philosphy*, vol.2, p:639.

۳۵۔ اس نظریہ کے حامل افراد نے علم فہمیات (sementic) کی مدد سے حکمت متعالیہ کے لئے ایک قسم کی منطقی برتری کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔آسٹریائی نژاد برطانوی فلسفی وینگیشٹائن نے سب سے زیادہ زبان اور اس کے عملی پہلوؤں پر توجہ کی ہے اور زبان کی بنیاد پر فلسفے کو ایک نئے مرحلے میں داخل کیا اور انسانی فہم و ادراک کو کہ جو کانٹ کا بنیادی موضوع تھا، فلسفہ کی توجہ ہٹا کر نطق بشری کی طرف متوجہ کیا۔ ہر طبیعی زبان (Natural Language) کہ جو مصنوعی زبان (Artificial Language) کے مقابلے میں ہے، اپنے روز مرہ کے استعمال کے اعتبار سے افہام وتفہیم کا ایک وسیلہ ہوتی ہے لیکن جب ہم ایک طبیعی زبان کے ذریعے دوسری طبیعی زبان یا خود اس زبان کے بارے میں گفتگو کرتے ہیںاور اس کے نحوی و معنوی ڈھانچے کا جائزہ لیتے ہیں تو اس مقام پر دو زبانیں سامنے آتی ہیں ایک وہ زبان جو موضوع بحث ہے کہ جسے معروضی زبان (Object Language)کا نام دیا گیا ہے اور دوسری زبان جس کے ذریعے معروضی زبان کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں اور اسے فوق لسان (Meta Language) کا نام دیا گیا ہے۔ ان دونوں زبانوں کے درمیان تمیز نہ کرنے کی وجہ سے اور ایک زبان کا وصف دوسری زبان کے لئے استعمال کرنے کی بنا پر بہت سے مغالطے اور تناقضات وجود میںآتے ہیں جن میں سے ایک شبہ جذر الاصم ہے۔ اس مقام پر فلاسفہ تحلیل زبان نے بعض علامتوں اور صفات میں اضافہ کرکے زبان کو زیادہ با معنی اور واضح و روشن بنانے کی کوشش کی ہے تاکہ تناقض میں گرفتار ہوئے بغیر معروضی زبان کا مطالعہ کیا جاسکے(خرد نامہ صدرا، درآمدی اسفار، مجلّہ ایران شناسی، سال چہارم، شمارہ۴، زمستان،۱۳۷۱ھ ش)۔

۳۶۔ مہدی حائری یزدی، درآمدی بر اسفار، مجلّہ ایران شناسی، سال چہارم، شمارہ ۴، زمستان، ۱۳۷۱ ھ ش۔

۳۷۔ برٹرنڈ رسل، تاریخ فلسفہ غرب، ترجمہ نجف دریابندی، ج۱، نشر پرواز، تہران، ۱۳۵۶ ھ ش، ص۸۰۴، ۸۱۳-۸۲۱

۳۸۔ مقام تحقیق، تحقیق کا وہ مرحلہ ہوتا ہے جس میں محقق ضروری مواد جمع کرنے کے لئے کسی بھی علم یا ذریعہ سے استفادہ کر سکتا ہے لیکن مقام اثبات میں اس کو اپنے ہی علم سے مربوط دلائل کی روشنی میں اپنی بات کو ثابت کرنا ہوتا ہے۔مثلاً ایک فلسفی دوران تحقیق کسی بھی علم کا مواد جمع کر سکتا ہے لیکن اظہار رائے کے وقت اس کو فلسفی و منطقی اصولوں سے انحراف کا حق حاصل نہیں ہے۔

۳۹۔ عبدالکریم سروش، حکمت در فرہنگ اسلامی، مجلّہ دانشگاہ انقلاب، دورہ جدید، ص۱۱۱،۱۱۲،شمارہ ۹۸،۹۹۔

۴۰۔ فرامرز قراملکی، روی آورد بین رشتہ ای و ہویت معرفت فلسفہ صدرائی،مقالات و بررسیہا، دانشکدہ الٰہیات و معارف اسلامی۔

۴۱۔ اصالت وجود اور ماہیت کامسئلہ ایک طویل عرصے سے فلاسفہ کی بحث و گفتگو کا محور بنا ہوا ہے۔بعض فلاسفہ اصالت وجود کے قائل ہیں اور بعض اصالت ماہیت کے۔جن کے نزدیک وجود اصل ہے وہ ماہیت کو اعتباری قرار دیتے ہیں اور جو اصالت ماہیت کے قائل ہیں وہ وجود کو اعتباری قرار دیتے ہیں۔یہ جاننے کے لیے کہ اصالت وجود و ماہیت کا مسئلہ کہاں سے پیدا ہوا خارجی اشیاء کا عقلی طور پر تجزیہ کرنا ہو گا۔جب بھی ہم کسی خارجی شئے کو دیکھتے ہیں تو ذہن میں دو مفہوم پیدا ہوتے ہیں۔ایک وجود کا مفہوم اور دوسرا ماہیت کا۔پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دونوں میں سے کس مفہوم کا خارج میں مصداق موجودہے اور خارجی حقیقت کا حامل ہے۔ اصالت وجود کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز حقیقی معنی میں خارج میں موجود ہے وہ وجود ہی ہے جبکہ ماہیت کے اعتباری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ماہیت وجود کی حد اور ایسا ذہنی قالب ہے جو خارجی حقیقت کو دیکھ کر ذہن میں آتا ہے۔ البتہ اسلامی فلسفہ میں یہ جو کہا جاتا ہے کہ خدا کی کوئی ماہیت نہیں ہے تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اللہ کا وجود لامحدود ہونے کی وجہ سے چونکہ حد نہیں رکھتا لہذا اس کی کوئی ماہیت بھی نہیں ہے۔ پس اصالت وجود کے قائل فلاسفہ کی نظرمیں خارج میں جس چیز کے آثار موجود ہیں وہ وجود ہی ہے جبکہ ماہیت وجود کی حد سے منتزع ہوتی ہے اور نمودِ وجود ہے نہ کہ خود وجود۔

۴۲۔ ملاصدر کے نزدیک کائنات میں وجود کی مختلف اقسام کے درمیان اختلاف تشکیکی نوعیت کا ہے۔ یعنی خارجی وجود کی حقیقت ایک ہی ہے لیکن یہ وجود مراتب و درجات کے اعتبار سے مختلف ہوتاہے۔ دوسرے الفاظ میں ان کے درمیان اختلاف شدت و ضعف اور تقدم و تأخر وغیرہ میں ہے جیسے روشنی کے مختلف درجات ہوتے ہیں۔ بعض جگہ روشنی شدید ہوتی ہے اور بعض جگہ ضعیف ہوتی ہے لیکن دونوں جگہ روشنی کی حقیقت بدستور موجود رہتی ہے۔

۴۳۔ حال ہی میں ایران میں فہرست کتابخانہ شخصی کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے (یاداشتہای ملا صدرا ہمراہ با فہرست کتابخانہ شخصی ملا صدرا، تنظیم وتحقیق محمد برکت، انتشارات بیدار، چاپ اوّل،۱۳۷۷ ھ ش)۔

۴۴۔ S.H.Nasr, *Sadr al-Din Shirazi and his Transcendent Theosophy;Background,*

*life and Works,* Tehran,Iranian Acadmy of Philosophy, (1978),p:72

۴۵۔ ibid, p:73

۴۶۔ صدرالدین شیرازی، المبداء و المعاد، ص۳۹۷،۳۹۸۔

۴۷۔ S.H.Nasr, *Sadral-Din Shirazi and his Trancsendent Theosophy,* p73

۴۸۔ ibid

۴۹۔ ibid

۵۰۔ صدرالدین شیرازی، الاسفار الاربعہ، ج۵، ص ۲۰۶،۲۰۷۔

۵۱۔ S.H.Nasr, *Sadr al-Din Shirazi and Transcendent Theosophy,*p77.

۵۲۔ ملا صدرا شیرازی، المبداء و المعاد،ص۲۸۳۔

۵۳۔ Fazlur Rehman, *The Philosophy of Mulla Sadra* p:10.

۵۴۔ ابن سینا نے پہلی مرتبہ فلسفہ کو الہیات بالمعنی الاعم اور الہیات بالمعنی الاخص میں تقسیم کیا۔ الہیات بالمعنی الاعم میں خالص فلسفی مسائل کو بیان کیا گیا ہے اور الٰہیات بالمعنی الاخص میں انہی فلسفی اصولوں کی روشنی میں وجود خدا، اسماء و صفات الٰہی، نبوت اور دیگر اعتقادی مسائل پر بحث کی گئی ہے۔

۵۵۔ ملا صدراشیرازی، الاسفار الاربعہ، ج۹ ،ص۱۰۸۔

۵۶۔ اگرچہ مسلمان فلاسفہ کوخود معاد،قیامت یا حشرو نشر کے مسئلے پر اختلاف نہیں رہا ہے لیکن ان کے درمیان معاد کی نوعیت اور کیفیت پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہت سے مشائی فلاسفہ معاد روحانی کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک جسم فنا ہو جائے گا اور نفس و روح کو محشور کیا جائے گا۔ ابن سینا کا اس سلسلے میں کہنا ہے کہ شریعت نے جسم اور بدن کی سعادت و شقاوت (جزا و سزا) کے مسئلے پر اپنی حتمی رائے کااظہار کر دیا ہے لیکن عقلی طور پر ہم اس کے اثبات سے قاصر ہیں (دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی،ج۴،تہران،۱۳۷۰،ص۲۱)

۵۷۔ ایضاً

۵۸۔ ایضاً، ج۶، ص۱۷۹۔

۵۹۔ ایضاً، ج۹، ص۴۰۔

۶۰۔ صدرالدین شیرازی، اسرار الآیات،تصحیح محمد خواجوی،مؤسسہ مطالعات و تحقیقات فرہنگی، تہران،۱۳۶۳ ھ ش، ص۸۶۔

۶۱۔ سید حسین نصر، حکمت متعالیہ چیست؟ روزنامہ عصر آزادگان، مترجم عبدا لرّحیم مرودشتی۔ ۲۷ دی ماہ، ۱۳۷۸ ھ ش۔

۶۲۔ ایضاً

۶۳۔ سید حسین نصر نے اہل عرفان کے چار معنوی سفر کی تفصیل یوں بیان کی ہے:

(الف) السفر من الخلق الی الحق: ان ظلمانی اور نورانی حجابات کو ہٹانا جو سالک اور حقیقت کے درمیان ازلی و ابدی طور پر موجود ہیں۔ دوسرے الفاظ میں مقام نفس سے مقام قلب اور مقام قلب سے مقام روح کی طرف سفر۔ سالک ان حجابات کو دور کرنے کے بعد جمال حق کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کی ذات، ذاتِ حق میں فانی ہو جاتی ہے۔

(ب) السفر من الحق الی الحق بالحق: پہلا سفر ختم کرنے کے بعد سالک حق سے حق کی طرف سفر کرتا ہے لیکن یہ سفر خود حق کے ذریعے انجام پاتا ہے۔ یوں وہ ذات حق سے اس کے کمالات کی طرف سفر کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ تمام کمالات کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے اور اسم مستأثر(وہ اسماء جو انسان کی دسترس میں نہیں ہیں) باقی تمام اسماء کا علم حاصل کرلیتا ہے۔ اس مقام پر اس کی ولایت نقطہ عروج کو پہنچ جاتی ہے اور وہ اپنی ذات، صفات اور افعال کے ساتھ، اللہ کی ذات، صفات اور اس کے کمالات میں فانی ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اسی کے واسطے سے سنتا ہے، اسی کے واسطے سے دیکھتا ہے، اسی کے واسطے سے چلتا ہے اور اسی کے واسطے سے چیزوں کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔

(ج) السفر من الحق الی الخلق: اس مقام پر سالک حق کے ذریعے حق سے خلق کی طرف سفر کرتا ہے۔ اس سفر میں اس کا محو ختم ہو جاتا ہے اور وہ صحو تام کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔ عالم جبروت، ملکوت اور ناسوت میں سفر کرتا ہے اور ان عوالم کا بعینہ ان کے لوازمات کے ساتھ مشاہدہ کرتا ہے۔ اس مقام پر اسے فیضِ نبوت میں سے بھی کچھ مل جاتا ہے اور وہ اللہ کی ذات، صفات اور اس کے افعال سے متعلق معارف کی خبر دینے لگتا ہے لیکن وہ تشریعی نبی کے مقام تک نہیں پہنچتا۔ اسی لئے احکام اور شریعت کو نبی مطلق سے ہی اخذ کرتا ہے اور اسی کے تابع ہوتا ہے۔

(د) السفر من الخلق الی الحق: اس مقام پر سالک حق کی مدد سے خلق سے حق کی طرف سفر کرتا ہے۔ اس موقع پر وہ خلائق، اس کے آثار اور لوازم کا مشاہدہ کرتا ہے اور دنیا اور آخرت میں اس کے سود و زیاں کا علم حاصل کرتا ہے۔پھر جب اللہ کی طرف اس کی برگشت ہوتی ہے تو اس کو تشریعی نبوت ملتی ہے اور وہ نبی کہلواتا ہے۔ (سید حسین نصر، صدرالمتألہین شیرازی و حکمت متعالیہ، دفتر پژوہش و نشر سہروردی،تہران، بہار ۱۳۸۲ش، ص۹۵۔۹۶

۶۴۔ مرتضی مطہری، مجموعہ آثار، ج۹، ص۵۹ اور اس کے بعد۔

۶۵۔ ملا صدراشیرازی، الاسفار الاربعہ، ج۲،ص۴۹۴،۵۹۵۔

۶۶۔ محی الدین ابن عربی، فصوص الحکم،انتشارات الزہرا،تہران،۱۳۷۰ش، ص۱۲۵،۱۲۶

۶۷۔ ملا صدرا شیرازی، المبداء و المعاد،مقدمہ جلال الدین آشتیانی، ص شصت و پنج، شصت و سہ۔

۶۸۔ ایضاً، ص شصت و پنج۔

۶۹۔ ملا صدرا شیرازی، الاسفار الاربعہ، ج۸،ص۳۰۳ و ج۹، ص۲۰۵۔

۷۰۔ مرزا علی اکبر اردبیلی (م ۱۳۴۶ ھ) نے اپنی کتاب البعث و النشور میں ملا صدرا کے نظریہ معاد کو سخت ہدف تنقید بنایا ہے۔ ملاحظہ ہو: تاریخ حکماء و عرفاء متاخر بر صدرا لمتألہین از منوچہر صدوقی سہا، تہران، ص۲۶،۱۷۹)۔

۷۱۔ اس سلسلے میں خاص کر شیخ احمد احسائی کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے جو ملا صدرا کے شارحین میں سے تھے اور انہوں نے کتاب المشاعر پر شرح لکھی ہے جس میں انہوں نے ملا صدرا کے نظریات کی مخالفت کی ہے۔ (معارف، آذر۔ اسفند،۱۳۶۴ ھ ش، نامہ استاد آشتیانی، ص ۳۳ اور اس کے بعد)

۷۲۔ علامہ حائری (م ۱۳۵۰ ھ ش) نے عراق میں حکمت کی تعلیم حاصل کی ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب حکمت ابو علی

سینا میں ملا اسماعیل بروجردی، ملا عند الہادی ہزار جریبی، سید احمد جہرمی اور سید محمد فیروز آبادی کو ملا صدرا کے مخالفین میں سے قرار دیا ہے (حکمت ابو علی سینا، جلد اول، ص۸)۔ علامہ حائری مازندرانی نے ۵ جلدوں پر مشتمل اپنی کتاب حکمت ابو علی سینا میں مختلف مقامات پر ملا صدرا کے فلسفیانہ افکار خاص کر ان کے نظریہ اصالت وجود (جلد اول،ص۳۶۴) نظریۂ حرکت جوہری (جلد ۲، ص۱۴۴،۱۴۵) پر تنقید کی ہے اور اثبات واجب وجود کو ایک مغالطہ قرار دیا ہے (جلد ۳، ص۲۴۴)۔

۷۳۔ ڈاکٹر موسیٰ جوان نے اپنی کتاب حکمت تطبیقی در حقیقت حس و عقل میں ملا صدرا کے فلسفی نظریات پر علوم طبیعی کی روشنی میں تنقید کی ہے۔

۷۴۔ منو چہر صدوقی نیا،تاریخ حکماء و عرفاء بر صدر المتألہین،انجمن اسلامی حکمت و فلسفہ ایران،۱۳۵۹ ھ ش، تہران، ص۱۶۔

۷۵۔ سید جلال الدین آشتیانی،مقدمہ المبداء و المعاد از صدر الدین شیرازی، ص شصت و پنج۔

۷۶۔ ایضاً، ص شصت و ہشت و شصت و نو

۷۷۔ ایضاً، ص شصت و دو و شصت و سہ

۷۸۔ ایضاً، ص شصت و شش و شصت وہفت

۷۹۔ میا ں محمد شریف، تاریخ فلسفہ در اسلام، ترجمہ فارسی زیر نظر نصر اللہ پور جوادی، مرکز نشر دانشگاہی، تہران، ۱۳۶۵ھ ش، ص۴۷۹۔

۸۰۔ مجلّہ قبسات، سال سوم وچہارم، شمارہ دہم و یازدہم، زمستان و بہار۷۸۔۱۳۷۷ ھ ش حکمت صدرائی ماہیت و مختصات، ص۳۵، ۳۶۔

۸۱۔ ملا صدرا زشیرازی، کسر اصنام الجاہلیۃ ، تصحیح محمد تقی پژوہ، انتشارات دانشکدہ معقول و منقول، ۱۳۴۰ ھ ش ۔

-----------